

# اسلام اور جموریت: ایک تصادم؟

## پروفیسر ویم زارت میں کے ساتھ ایک مکالمہ

اخذ و تخلیص: مسلم سجاد

”اسلام اور جموریت“ کے اہم مسئلے پر ہم اس سے قبل دو تحریریں۔ ۱۔ مغرب کے خلاف مسلمانوں کا غیظ و غضب (ستمبر ۹۲ء)۔ ۲۔ اسلام اور مغرب (اکتوبر ۹۴ء) شائع کرچکے ہیں، جو مغرب کے نقط نظر کی ترجیح تھیں۔ آج ہم جان ہاپ کنس یونیورسٹی کے پروفیسر زارت میں کی ایک تحریر کی تخلیص، ایک مکالمہ کی صورت میں شائع کر رہے ہیں، تاکہ قارئین کے سامنے ہمارے نزدیک جو اسلام کا نقط نظر ہے وہ بھی ساتھ ساتھ آتا جائے۔

مغرب، جموریت کو انسانی تاریخ میں اپنا کارنامہ قرار دیتا ہے، اور دنیا بھر میں اس کے فروغ کا علم بردار ہے، لیکن مسلم ممالک کے لیے نہیں۔ اس لیے کہ بظاہر انھیں بڑی تشویش ہے کہ اگر یہاں احیاء اسلام کی قویں، جموروی ذرائع سے سی، ایک دفعہ بر سر اقتدار آگئیں تو پھر وہ کبھی اقتدار نہیں چھوڑیں گی اور جمورویت کے بجائے آمریت کی راہ پر چلیں گی۔ عملی صورت حال یہ ہے کہ تقریباً نصف صدی سے بر سر اقتدار ان کی جانشیں، یکوئر ”جموروی“ پارٹیاں بدترین آمریت اور استبداد کی راہ پر گامزن ہیں، اور ان پارٹیوں کے حق میں دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں جن کے حق میں اکٹھت کا ہونا متفق علیہ ہے۔ مگر مغرب کے حکمران، نمایت، حصانی سے ان نالیں، کربلت، عوام کی حمایت سے محروم اور کسی غیر جاندار انتخاب میں یقینی نسلکت سے دوچار حکمرانوں کو مسلط رکھنے میں انھیں ہر طرح کی حمایت فراہم کر رہے ہیں اور ان کے داش و غلی مناقفانہ روشن کے لیے سندر جواز فراہم کر رہے ہیں۔ یوں وہ جمورویت سے اپنی ”وفادری“ ثابت کر رہے ہیں۔ الجیریا اس کی ایک کھلی مثال ہے۔ اس پس مظہر میں یہ تحریر بڑی لمحہ پ نظر آتی ہے۔ (مدیر)

زارت میں: آج دنیا کا بڑا حصہ دو تاریخی سیاسی دھاروں کے درمیان کنگاش کا شکار ہے، ایک جمورویت کا اور دوسرا سیاسی اسلام کا۔ مکمل تھجی کی بھی نہیں ہوگی، مگر اس کنگاش کا نتیجہ لوگوں کے

لیے، اور باقی دنیا کے لیے بھی بہت دور رس ثابت ہو گا۔

مدیر: یہ صورت حال کی صحیح تعبیر نہیں۔ معرکہ ہے، مگر سیاسی اسلام اور جمورویت کے درمیان نہیں، دو تند پہلوں کے درمیان ہے: ایک خدا پرست تند ہے، جو ساری انسانی زندگی کی تخلیل، بے شمول سیاست کے، وحی الٰہی کے مطابق کرنا چاہتی ہے، دوسری بے خدا تند یہ جو اجتماعی زندگی سے خدا اور اس کی ہدایت کو بے دخل کر چکی ہے۔ سیاسی اسلام ایک غلط اور من گھرست اصطلاح ہے، اس لیے کہ بغیر سیاست کے اسلام، اسلام نہیں۔ اور جمورویت تو، اس معرکے میں بھیثست ایک فریق کے، ایک بالکل بے معنی اصطلاح ہے، اس لیے کہ جمورویت کی اتنی ہی تعریفیں اور تخلیکیں ہیں جتنے اس کے دعوے دار ہیں۔ امریکہ کو بھی جمورویت کا دعویٰ ہے، روس کو بھی تھا، جہاں ایک پارٹی کی حکومت تھی، اور پاکستان تو اسلامی جمورویت ہے، ہی۔

ز: صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف جمورویت کا نامہ مقبول ہو گیا ہے، دوسری طرف لا دینی سو ششم اور تجد، modernization میں ناکامی کے رو عمل میں اسلام کا احیا اور اس کی سیاسی جدوجہد سامنے آگئی ہے۔

م: مغرب کا ہر تجزیہ ٹکار اس شدید غلط فہمی کا شکار ہے کہ احیاے اسلام کی تحریک معاشری، سیاسی اور تمدنی ناکامیوں کا رو عمل ہے۔ بد قسمتی سے وہ ہر وقوعے کی توجیہ صرف انھی مادی پیمانوں سے کرنا جانتا ہے۔ بھر جب انقلاب ایران جیسا واقعہ ہو جاتا ہے، تو یہان و ششندز رکھ رہا رہ جاتا ہے۔ ورنہ اس تحریک کی جڑیں تو بڑی گھری، مسلمان کے قلب و روح اور دین و ایمان میں اتری ہوئی ہیں، اور ایک تاریخی تسلسل کے ساتھ، کامیاب اور خوش حال مسلمان حکمرانوں اور معاشروں میں اسلام سے اخراج کے لیے برپا ہوتی رہی ہیں۔

ز: جب تقویٰ لو سیاسی نظام کی نیا دینا یا جائے تو یہ امور مملکت اور میان الاقوامی تعلقات پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے باوجود سعودی عرب اور پاکستان جیسے اسلامی مملکت کملانے والے ملک مغرب سے تعاون کی راہ پر چل رہے ہیں، جبکہ ایران اور سوڈان مغرب سے تصادم کی راہ پر ہیں۔

م: اسی بات سے ظاہر ہے کہ معرکہ اسلام اور جمورویت کے درمیان نہیں ہے۔ پاکستان، اللہ تعالیٰ کی حاکیت تسلیم کرنے کے باوجود ایک جمورویت ہے، سعودی عرب ایک بادشاہت ہے، دونوں مغرب کے دوست ہی نہیں تابعدار ہیں۔

ز: درحقیقت فلنے اور عمل کے لحاظ سے مغربی جمورویت اور سیاسی اسلام دو جدا ہد انتظام ہیں۔ ایک اسلامی ریاست میں کسی جمورویت پسند کا کیا مقام ہے؟ ایک اسلامی ریاست کتنی جموروی ہو سکتی ہے اور ایک جموروی ریاست کتنی اسلامی ہو سکتی ہے؟ یہ سوالات مسلم ممالک ہی میں نہیں، فرانس، انگلینڈ، انڈیا، ریشن فیڈریشن اور امریکہ میں زیر بحث ہیں، اور حقیقی اور امام ہیں۔

م: فلسفے کے لحاظ سے مغربی جمورویت اور اسلام یقیناً دو مختلف بلکہ متصادم نظام ہیں۔ اس لیے کہ ایک عوام کی، اور دوسرا حالت کائنات کی مطلق حاکیت پر قائم ہے۔ لیکن، حاکیت الٰہی کی حدود میں، امور اجتماعی، بیشمول امور ریاست، کے چلانے کے لیے جموروی عمل یعنی اسلام کے مطابق ہے۔ اسلام اور جمورویت کا مسئلہ انھی کے ہاں شدت سے زیر بحث ہے جیسی جمورویت کے نتیجے میں اسلامی پارٹیوں کے بر سر اقتدار آنے اور مغرب کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ علاوہ اعلیٰ برداران اسلام کے درمیان جموروی عمل کی تفصیلات پر اختلافات ہو سکتے ہیں، لیکن جموروی عمل کے بارے میں کوئی بحث نہیں۔

ذ: مسلمانوں کے سامنے دو طرح کے ماذل رہے ہیں۔ ایک، وہی کی بنیاد پر زمین پر خدا کی سلطنت قائم کرنا، اور دوسرا، معاشرے میں مادی اقتدار کی بنیاد پر کامیابی اور خوشحالی لانا۔ دونوں کے درمیان کشمکش سے ایک جدیاتی عمل وجود میں آتا ہے۔ اس عمل میں احیاء اسلام کا عضفر بھی داخل ہو جاتا ہے۔ مگر اس سے گونہ جدیاتی عمل میں نہ کسی کی فتح ہوتی ہے نہ شکست، بلکہ دونوں نمودنوں کے عناصر کے مجموعے سے ایک نیا نظام وجود میں آتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔

م: افسوس ہے کہ آپ یہی سمجھنے سے تا صریح کہ اسلام میں وہی کی بنیاد پر حکومت الٰہی اور مادی طور پر کامیاب اور خوش حال معاشرے کے درمیان سرے سے کوئی تصادم ہی نہیں کہ کسی جدیاتی عمل کا سوال پیدا ہو۔ حکومت، تجارت، صنعت، علم، جنسی تعلق، تفریخ، نہیں مذاق، ہر چیز ایک نیکی ہے جب تک وہ حدود الٰہی سے متجاوز نہ ہو۔ دنیا کی زندگی، حکم الٰہی کے مطابق، بہتر سے بہتر بنانے ہی سے آخرت کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ چیز اور ائمۃ کی تفرقی آپ کے سیکولر ازم کی پیداوار ہے، اس پیمانے پر اسلام کو نہ ناپیسے۔

ذ: مغربی استعمار کی آمد سے مسلمانوں کے درمیان ایک نیا عنصر داخل ہوا۔ دوسری جنگ کے بعد قومیت اور اسلام کی قوت، نوآبادیاتی حکومت کے خلاف مجمع ہو کر کھڑی ہو گئی، قوی اور جدید اصولوں پر مبنی بات کر سکتے تھے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہ معاشرے بھی تقدیم کی زد میں آگئے۔ بورقبہ، سادات اور رضاپلوی جیسے لادیئی، مغرب سے والبستہ، مادیت پسند حکمران، اپنے ملکوں میں کرپشن، اخلاقی بحران، قومی ورش سے غفتہ، اور ترقی کے نام پر معاشرے میں الہاڑچھاڑ کے موجب بننے، اور عوام کو وہ مادی فوائد بھی نہیں ملے جن کے دعوے کیے جاتے رہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ معاشرے کی بنیادیں بلگئی ہیں اور غربت اتنی عام ہو گئی ہے جتنی پہلے نہ تھی۔ جدیدیت اور اقتدار کے اس ناکام ملغوبے کے خلاف رد عمل اور محاذ آرائی کی زبان، اسلام کی زبان ہے، جو احیاء اسلام کا جھنڈا الٹھائے ہوئے ہے۔

م: احیاء اسلام ایک رد عمل نہیں، اپنی جگہ ایک مسلسل تاریخی عمل ہے، یہ ہم واضح کر چکے ہیں۔ اس

سے انکار نہیں کہ ایک مرکب و مخلوط تہذیبی صورت حال میں کئی تاریخی اور مادی محکمات اور عوامل کا فرما ہوتے ہیں۔ لیکن ان سب کا رخ اسلام کی طرف اسی لیے بھرتا ہے کہ احیاء اسلام کا محرك ہی عوام کی تاریخ، تفہیمات، روایات اور عقیدہ و ایمان میں اپنی مستقل بڑیں رکھتا ہے۔

ذ: یہ رد عمل اور حکاہ آرائی کوئی اتفاق نہیں، اور نہ روز افزوں احیاء اسلام کوئی چادڑہ ہے۔ جب بھی جاری نظام مہکلات کا شکار ہوتا ہے، لوگ صرف اخروی نجات کے لیے نہیں بلکہ اس دنیا کی زندگی کو بہتر کرنے کے لیے بھی مدد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جب لوگوں کو نوآبادیاتی دور کی سو شل سرو سز بھی نہ فراہم ہو رہی ہوں تو وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے احکامات پر عمل نہ کر کے اور اجنبی مائل افتیار کر کے وہ اس سزا کے متعلق ہو گئے ہیں۔ نجات اس میں ہے کہ خدا کے نازل کردہ سیدھے راستے پر چلیں۔

م: جب مغرب نے خدا کو کائنات میں تدبیر کے عمل سے اور حیات اجتماعی سے خارج کر دیا، خواہ وہ ایک ذاتی معہود کے طور پر موجود ہو، تو ہر کائناتی اور اجتماعی مظہر (phenomenon) کی توجیہ کے لیے اس کے پاس صرف مادی پیانہ رہ گیا۔ لیکن اخلاقی پیانے سے تو کسی کو بھی مفر نہیں۔ مقصد اور سمت کے فقدان، ڈپلن اور اخلاقی اقدار کے زوال سے معاشرہ انتشار کا شکار ہو سکتا ہے تو حکم الہی کی خلاف ورزی سے قوی زوال اور پستی کی توجیہ کیوں نہیں ہو سکتی؟

ذ: احیاء اسلام کا موجودہ نہ ہی یونیورسیٹیا (مثالی معاشرہ) ملازمتیں فراہم کرنے اور مستعد اور دیانت دار حکومت کا اس بنیاد پر یقین دلاتا ہے کہ اس کا معاشری پروگرام قرآن میں ہے۔ اسی لیے اسے لازماً کامیاب ہونا ہے۔ اگر نہ ہو تو اس کی بھی توجیہ موجود ہے۔ وجہ پروگرام کی خامی نہیں بلکہ برائی کی ناپاک قوتوں کی طرف سے مراجحت ہے۔ احیاء اسلام حالیہ نظام سے امتحان نہیں بلکہ مکمل فتح چاہتا ہے۔

م: امتحان کا مطلب اگر واضح ہدایات الہی کو ترک کر دینا ہے، تو یقیناً اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن اگر امتحان کا مطالعہ راجح نظام و تہذیب کے ان مباحث اور مصروف پلاؤں کو باقی رکھنا ہے جو مفید ہوں، یا اجتماعی امور میں زمان و مکان کے لحاظ سے مطلوب تغیرات کے بارے میں غور کرنا ہے، تو امتحان ضرور ہو گا۔ غلط فہمی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ ”پروگرام قرآن میں ہے“، کو یا تو صحیح نہیں جاتا، یا اس کو دوسروں کو کشفیوں کرنے کے لیے غلط معانی پہنچتے جاتے ہیں۔ پروگرام کا مطلب تمام تفہیمات نہیں بلکہ بنیادی اصول ہیں، اور واضح احکام ہیں۔ یہ پروگرام ناکام ہو تو قرآن کی رو سے، دوسروں پر الزام رکھنے کے بجائے، صحیح روشن اپنا جائزہ، احتساب اور اصلاح ہے، جس کا جامع عنوان استغفار ہے۔ قرآن نے استغفار پر مادی خوش حالی کا وعدہ مخصوص کیا ہے۔

ز: جمورویت ایک طرف، ایک طریق کار ہے، حکمران منتخب کرنے کا۔ دوسری طرف یہ صرف ایک طریق کار نہیں، ایک طرز حکومت بھی ہے جسے صرف ایسے جموروی لوگ چلا سکتے ہیں جو بار بار انتخاب کا موقع دینے، اور ہارنے پر حکومت سے دشبردار ہونے کے لیے تیار ہوں۔ خواندگی اور شرکاری کے ساتھ، اس اصول کی پابندی جمورویت کی کامیابی کے لیے لازمی ہے۔ لیکن جمورویت کے تجربے کے بغیر سے سیکھنا بھی ممکن نہیں۔ اس مشکل کا کیا حل ہو؟ یہ مشکل حل کرنے کے لیے، نو آبادیاتی استعمار نے اپنی رعایا کو تین طریقوں سے جموروی تربیت دی۔ ایک، انھیں اپنے طرز حکومت کے معیارات و مقاصد بتائے۔ جیسے آزادی اور مساوات اور پارلیمنٹی جمورویت۔ دوسرے، اپنا نمونہ دکھایا۔ تیسرا، آزادی کے لیے ان سے عوای جموروی تحریکیں شروع کروائیں۔ لیکن اس استعمار کی تربیت یا قلت یہ قوی تحریکیں صحیح معنوں میں جمورویت کو بر سر عمل نہ لاسکیں۔ انھیں اختلاف رائے اور بحث و مباحثے کی برداشت نہ تھی۔ انتخابات بار بار نہ ہونے سے جمورویت صرف کاغذ پر رہ گئی۔

م: کیا خوب جمورویت کی تربیت دی، جمورویت کے پرستار مغرب نے اپنے جانشینوں کو جھیں اس نے اپنے بعد اقتدار سنجانے کے لیے تیار کیا! خوف ناک ہوا تو اس خطرے کو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے کہ کوئی اسلامی پارٹی ایک بار انتخابات میں جیت گئی تو دوبارہ انتخاب کا موقع ہی نہ دے گی، دے گی تو اس میں صرف اسلام کو تعلیم کرنے والے حصہ لے سکیں گے۔ لیکن مغرب کے ان شاگردوں نے --- جیسے مصطفیٰ کمال، جمال عبد الناصر، صدام حسین، حافظ اسد، حسن مبارک، سوہارتو وغیرہ۔ --- تو نصف صدی تے بدترین آمریتیں قائم کر رکھی ہیں: نہ انسماں رائے کا حق ہے، نہ اختلاف کا، نہ جماعت سازی کا، نہ پر لیں آزاد ہے، نہ آزادانہ انتخابات ہوتے ہیں جن میں حکمران پارٹی کے علاوہ کوئی جیت سکے۔ بنیادی حقوق کا نام و نشان نہیں، اپوزیشن کو ہر طرح پکیل دیا جاتا ہے۔ جیلیں بھری ہوئی ہیں، بدترین عقوباتیں دی جاتی ہیں، مخالفین چھانبی کے تھوکوں پر لفکائے جا رہے ہیں، رہنوں پر تالے ہیں، اختلاف کے جرم میں پوری بستیاں مذاہی جاتی ہیں۔ ”جمورویت صرف کاغذ پر رہ گئی ہے“ کا ہلکا سا اعتراف تو بدتر از گناہ ہے۔ غالباً مغرب کو اپنی تربیت سے یہی آمریت مطلوب تھی، تاکہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی گردنوں پر اس کا اقتدار مسلط رہے۔

ز: اب آزادی کے نصف صدی کے بعد، خصوصاً میونز姆 کے زوال کے نتیجے میں، جمورویت کی تازہ لہر آئی ہے۔ لیکن مسلمان ملکوں میں اس کا خاص اثر اور مفہوم ہے۔ اس لیے کہ یہاں ساتھ ساتھ اسلام کے احیائی لہر بھی انھریں ہے۔ اس وقت جمورویت کی اہمیت اور اثر دو پہلوؤں سے اور زیادہ ہے۔ ایک طرف، ریاست کے وظائف میں، اور نیجتاً اس کی طاقت میں، ماضی کے مقابلے میں غیر معمولی اضافہ ہو چکا ہے۔ مسلم ممالک میں ملازمت، تعلیم، علاج اور دیگر سماجی ضروریات زیادہ تر ریاست کے قبضے میں ہیں، تو انہیں کی بھرمار ریاست کو ہر شہری کی روز مرہ زندگی میں دخل کر دیتی ہے۔

اس طرح حکومت لوگوں کی زندگیاں کنٹرول کرنے کے لیے بہت بڑا سرچشمہ ہے۔ صرف جمورویت قوتون ہی کے لیے نہیں، دوسری قوتون کے لیے بھی۔ دوسری طرف ریاستی اقتدار، عوام سے دور چند افراد کی شکار گاہ بن گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں عوام میں حکمرانوں کے خلاف عدم اعتماد بے چینی اور بغاوت پیدا ہو رہی ہے جو ۱۹۸۸ء کے عشرے میں نمایاں رہی۔ اور ۱۹۸۱ء میں کاسابلانکا میں ۱۹۸۸ء میں سارے الجیا میں، ۱۹۸۲ء میں تیونس میں، ۱۹۸۶ء میں قاہرہ اور مصر کے دوسرے شہروں میں، ۱۹۸۹ء میں عمان میں، ۱۹۸۶ء میں مسجد الحرام، مکہ میں اور ۱۹۸۷ء میں انقلاب ایران میں، سارے ہنگامے مسلم ممالک کے حکمرانوں کے خلاف عوامی غیظ و غضب کا اظہار تھے۔ ایک طرف یہ ناکام اور جابر حکمران، دوسری طرف جمورویت کی لہر، ایک دھماکہ خیز صورت حال بن گئی ہے۔ یہ جمورویت کی بقا کے لیے خطرناک ہے کہ اسے ایک صحت مند طریق کار کے بجائے ان نتائج کی ضمانت تصور کیا جا رہا ہے جو موجودہ حکمران پیدا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ چنانچہ جمورویت کی اس لہر کو استعمال کرنے کے لیے سب سے طاقت و رقوت سیاسی اسلام بن گیا ہے، جو کلام الٰہی کی راہ نمائی اور ضمانت پر اخلاقیات کی بجائی، دنیاوی ترقی اور بد عنوانیوں سے نجات کا لقینق دلاتا ہے۔ اس طرح جمورویت کا حلیہ بگاڑ دینے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

م: اسلامست آخوند کس ”جمورویت“ کا حلیہ بگاڑ دیں گے؟ اس کا جو مغرب کی کتابوں میں بہتی ہے، یا اس کا جو مصر، تیونس، شام، سعودی عرب، انڈونیشیا وغیرہ میں قائم ہے؟ اب اس میں مزید بگاڑنے کی کیا گنجائش ہے۔ اسلامست آجائیں تو کچھ بھرپوری ہی پیدا کریں گے، یا مغربی مفادات اور اتساط کا حلیہ ضرور بگو رکتا ہے۔ ذ: ویسے تو اسلام اور جمورویت میں کوئی بنیادی تضاد نہیں ہے۔ قرآن میں کسی خاص طرز حکومت کو سند نہیں دی گئی ہے، نہ جمورویت کی واضح حمایت کی گئی ہے۔ اس کے مضمون سے قریب ترین آیت امرہم شوراً عینہم ہے۔ قرآن کا زور حکمرانوں کی اخلاقی صفات پر ہے، ان کے طریق انتخاب پر نہیں۔ لفڑاوس وقت ابھر کر سامنے آتا ہے جب یہ سیاسی اسلام، جمورویت کی اصل اساس کھلی بحث اور کسی بھی حل کو قبول کرنے کی آزادی۔۔۔ کو فتحم کر دیتا ہے، اور صرف حق کے مانے والوں ہی کو انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت دیتا ہے۔ جب کوئی پارٹی مذہب کو اس طرح اختیار کرے کہ اس کی علامات پر اپنی اجراء داری قائم کر لے اور مخالفین کی قانونی حیثیت ختم کر دے، تو کھلی بحث اور مستقبل میں آزاد انتخابات کی ضمانت دینا مشکل ہو جاتا ہے۔

م: جمورویت کے فلسفے اور عوامی حاکیت کو ایک طرف رکھیے، شوریٰ کے بارے میں نص قرآنی۔۔۔ کہ مسلمانوں کے اجتماعی امور ان کی مرضی اور رائے سے مطے کیے جائیں، یہ بتانے کے لیے بالکل کافی ہے کہ جمورویت بطور طریق کار کے، اور بطور طرز حکومت کے، اسلام میں مطلوب اور مامور ہے۔ رائے کیسے لی جائے،

جمیوری نظام کی تفصیلات کیا ہوں، یہ چیزیں مسلمان اپنے حالات کے لحاظ سے اپنی رائے سے طے کرنے کے لیے آزاد ہیں۔ کیا قرآن، ۱۴۰۰ سال پہلے، ہماری اور پاریمانی حکومت کا نام لے کر ان کی واضح تعریف کرتا؟ مشکل یہی ہے کہ مغرب قرآن کے اس اسلوب ہدایت کو سمجھنا نہیں چاہتا کہ اصول طے کر دیے جائیں، تفصیلات اجتہاد پر چھوڑ دی جائیں۔ جو کتاب ہدایت ہے، ۱۴۰۰ سال پہلے کے لیے بھی اور ۱۴۰۰ سال بعد کے لیے بھی۔ بدودی معاشرے کے لیے بھی اور شری معاشرے کے لیے بھی، اس کے لیے یہی اسلوب ہدایت ہونا چاہیے تھا۔ ۱۴۰۰ سال سے اس آیت کا یہی مطلب سمجھا گیا ہے کہ جائز حکمران وہی ہے جسے رائے عامہ کی تائید حاصل ہو، بزرور بیعت لینے والوں کو بھی جائز حکمران تسلیم نہیں کیا گیا۔ اسلامی دستور کے بنیادی اصولوں پر پاکستان کے بُلما کے اجماع میں یہ بات شامل ہے کہ بالغ رائے وہی کی بنیاد پر آزادانہ انتخابات کے ذریعے حکمران منتخب ہوں گے۔ دو سب سے بڑی اسلامی تحریکیں، جماعت اسلامی اور اخوان المسلمين، بھی اسی موقف کی علم بردار ہیں۔

ذ: اسلامی پارٹیاں اور حکومتیں اپنے ارادوں کے بارے میں صاف بات کرتی ہیں، مگر الجیسا کے اسلامی فرشت کی طرح مغربی پریس کے سامنے تو جمیوری ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں، لیکن مقامی جلوسوں میں اعلان کرتی ہیں کہ ”جمیوریت“، کفر ہے اور اسلام کو مانئے والے ہی انتخابات میں حصہ لے سکیں گے۔ یہ دونوں موقف جمیوریت کے خلاف ہیں۔

م: اسلامست کوئی دورخی بات نہیں کرتے۔ جب وہ کہتے ہیں کہ ہم جمیوریت کے قائل ہیں تو ان کی مراد ہوتی ہے اس کا طریق کار اور طرز حکومت۔ جب وہ کہتے ہیں کہ ”جمیوریت کفر ہے“، تو ان کی مراد ہوتی ہے وہ مغربی جمیوریت جو خدا کو خارج کر کے رائے انسانی کی حاکیت پر قائم ہے۔ کسی بھی نظام میں وہی لوگ انتخابات میں حصہ لے سکتے ہیں جو اس نظام کو قبول کریں۔ جو امریکن دستور کو قول نہ کرے وہ امریکہ میں انتخابات میں کیسے حصہ لے سکتا ہے؟

ذ: کھلی بحث کے مسئلے پر اسلام اور جمیوریت کا موقف یکساں ہے، لیکن ایک لحاظ سے بالکل مختلف ہے۔ دونوں کا موقف ہے کہ بحث کے نتیجے میں حق کاغذی ہو گا، لیکن جمیوریت پسند کے نزدیک یہ غلبہ آزادانہ بحث اور فیصلے کے اصول کا غلبہ ہے، جبکہ اسلامست کے نزدیک اسلامی حق کا۔

ہ: آزادانہ بحث اور فیصلوں پر ”حق“، کو غلبہ ہونا چاہیے یہ اصول تو مغربی جمیوریت میں بھی اسی صرف مسلم ہے جس ضرر اسلام میں۔ اختلاف اس پر ہے کہ وہ حق کیا ہو۔ امریکہ میں میونٹ پارٹی غیر قانونی ہے اور اسے بحث و انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت نہیں۔ صرف اس سے وہ تشدد سے تهدیلی اقتدار پر یقین رکھتی ہے، یعنی اس ”حق“ کی مخالف ہے جس پر امریکی نظام قائم ہے۔ اگر عوامی نہیں دے کر اس قانون پر اس کر دیں جو امریکن دستور کے خلاف ہو تو وہ مسترد کر دیا جاتا ہے۔ گویا ”دستور“ ایک ایس ”حق“ ہے جسے عوامی فیصلے پر غلبہ حاصل ہے، اور حق کی تعبیر کا یہ اختیار صرف ۱۲ افراد کے پر یہ کو رث و حاصل ہے۔ گو ایکلو سکس

قانون کے ماہرین عوام کے نیچلے کو مسترد کریں تو میں جمورویت ہے، اسلامی فقہ کے ماہرین کریں تو ملکی آمریت ہے۔ لیکن ہم تو وہی کی تعبیر کا آخری حق بھی کسی ملا کو نہیں دیتے، عوام ہی کو دیتے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ عوام دستور کو بدلتے ہیں، بلکہ قرآن کو نہیں بدلا جاسکتا۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن اول تو ترمیم دستور کا عمل اتنا مشکل ہے کہ ترمیم محال ہے۔ دوسرا اب ہندستان کی پریم کورٹ یہ طے کر پچھلی ہے کہ اگر دستور میں باقاعدہ ترمیم کر بھی دی جائے، لیکن وہ دستور کی روح اور بنیاد سے متصادم ہو تو لئی ترمیم دستور بھی خلاف دستور ہے۔ لیکن اب ”حق“ دستور سے ماوراء ہو گیا۔ سوال ہے کہ کیا دستور میں ترمیم کر کے بنیادی حق واپس لیتے جاسکتے ہیں؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک اصول انسانی ہوں تو ان کا غلبہ صحیح ہے۔ اسلامی ہوں تو صحیح نہیں۔ گویا انسان خود تو ”خدا“ ہو سکتا ہے، ”خدا“ خدا نہیں ہو سکتا۔

ز: زیادہ بڑی چیزیں یہ ہے کہ اسلامی پارٹی میں ایک نظر آنے والا معتدل گروہ ہوتا ہے اور ایک زیر زمین انتاپنڈ گروہ۔ معتدل گروہ کو نٹرول میں رکھا جاتا ہے اور جب یہ جموروی ذرائع سے اقتدار حاصل کر کے اپنا کام پورا کر لیتا ہے تو انتاپنڈ گروہ اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ جمورویت اور اسلام کے درمیان تطابق کا مسئلہ صرف ”بیانات“ کی بنیاد پر نہیں بلکہ مکملہ سیاسی عمل کی نوعیت کی بنیاد پر کیا جانا چاہیے۔ اہم سوال یہ ہے کہ خواہ دونوں کے درمیان تصادم جاری رہے، کیا کیا جاسکتا ہے کہ سیاسی اسلام کے باوجود جمورویت کو جاہ ہونے سے بچا کر محفوظ رکھا جائے۔

م: ان زیر زمین انتاپنڈ گروہوں کا ”علم“ صرف آپ کے پاس ہے، بالعموم ان کا وجود کہیں نہیں پایا جاتا۔ اگر ایک انتہائی آمرانہ نظام میں تبدیلی جموروی ذریعے سے آئے، مگر اسلامت پارٹی کے جیتنے کا امکان بھی ہو تو پھر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ”جمورویت“ کو جاہی سے بچانے کے لیے (جو ابھی خواب و خیال میں ہے) آپ کتنے غیر جموروی بننے کے لیے تیار ہیں۔

ز: ایک دستوری طریقہ جو اکثر مسلمان ملکوں نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ اسلام کو ریاست کا نہ، بہ بنا یا جائے لیکن اسلامی پارٹیوں کو غیر قانونی رکھا جائے تاکہ وہ انتخاب میں حصہ نہ لے سکیں۔

م: آپ اس کے لیے بھی تیار ہیں کہ اسلام کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دیا جائے، اسلام کا استعمال کیا جائے، اور آزادانہ انتخاب میں، جن کی بقا کے لیے آپ مضطرب ہیں، ناپسندیدہ اسلامی پارٹیوں کو حق اجتماع اور حق اظہار رائے سے محروم کر کے انتخابات میں حصہ لینے سے روک دیا جائے۔

ز: دوسری طریقہ یہ ہے کہ ایک بھروسے کے قابل حزب اختلاف قائم کی جائے۔ آج کل ایک بد عنوان آمرانہ حکومت اور اسلامی حزب اختلاف کے درمیان تصادم ہو تو مصیبت یہ ہے کہ تبادل قوت موجود نہیں۔ الجیریا میں ۱۹۹۱، ۱۹۹۲ میں جو ہوا اسے اسلامک فرنٹ کی فتح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہوا یہ کہ بر سر اقتدار پارٹی پر عدم اعتماد کے بعد کوئی دوسری ایسی پارٹی میں ان میں رہ سکی جو ووٹ حاصل کر سکتی، نتیجہ یہ کہ فرنٹ کے سارے ووٹ جمع کر لیں تو بھی ڈالے ہوئے ووٹوں کا ہفی

صد اور کل ووٹوں کا ۲۵ فیصد ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی لئی پارٹی تھی ہی نہیں جو ووٹوں کی آشیت کو باہر نکال سکتی یا قوم کی آشیت کا اعتماد حاصل کر لیتی۔ اس کے مقابلے میں مصر اور تیونس میں بد عنوان حکومتوں کی مضبوط سرکاری پارٹیوں نے آزادانہ حیثیت سے کھڑے ہونے والے اسلامی امیدواروں کو نکلتے دے دی۔

م: تبادل حزب اختلاف کی راہ میں اسلامیت تو بالکل حائل نہیں آپ شوق سے قائم کریں۔ لیکن جن الفاظ میں آپ نے مصر اور تیونس کے واحد جماعتی، جابرانہ انتخابات میں، جن میں اسلامی پارٹیوں کو حصہ لینے کی اجازت ہی نہیں، نام نہاد آزاد اسلامی امیدواروں کی نکلت پر دادخیسین دی ہے اس کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ”اس سادہ لوچ پر کون نہ مر جائے اے خدا۔“

آپ نے الجیہیا میں اسلامی فرشت کی حیثیت کو جیت تسلیم نہ کرنے کے لیے بھی خوب دلیل دی۔ اب آپ کو ڈالے ہوئے ووٹوں کا اور کل ووٹوں کافی صد یاد آیا۔ ذرا پاکستان امریکہ، برطانیہ کے بنائج کو بھی اسی پیارے ناپیسے۔

ذ: تمرا طریقہ یہ ہے کہ ایسے انتخابی قواعد اور طریق کار بنا نے چاہس کہ ایک کثیر الجماعتی نظام وجود میں آئے اور ایک اسلامیت پارٹی کے حکومت پر کنٹرول کے امکانات کم سے کم ہو جائیں جیسے مناسب طریق نمایندگی، کسی ایک بڑی پارٹی کے کلی اقتدار کے امکان کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ اور انتخابی قوانین میں دیگر موزوں تبدیلیاں کر کے بھی انتہا پسند پارٹیوں کا کاردار محدود کیا جاسکتا ہے۔

چ: تمرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک حالات ساز گارنے ہوں جموروی نظام کو موخر کر دیا جائے۔ خواہنگی اور شرکاری میں اضافے کے ساتھ، آزاد پریس، آزاد عدیلیہ، بنیادی حقوق کا احترام جموروی نظام کی لازمی شرائط ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ شرائط کو پورا کرنا اور پھر انھیں باقی رکھنا، آزادانہ انتخابات کے انعقاد سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔

م: آپ انتخابی قواعد و قوانین میں ہیر پھیر اور گھپلے میں بھی کوئی ہرن نہیں سمجھتے، اگر اس سے اسلامیوں کا راستہ رک سکتا ہو۔ مناسب نمایندگی ایک دودھاری تکوar ہے۔ ممکن ہے اسلامیک پارٹی مجدد آشیت نہ بن سکے، لیکن پھر وہ اپنی تھوڑی تعداد سے بھی لگک میکر بن سکتی ہے۔

ذ: پانچواں طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ جب بھی جموروی عمل ہو، اسے ہونے دیا جائے اور جسے بھی آشیت حاصل ہو، خواہ اسلامیت ہی کیوں نہ ہوں، اسے حکومت کرنے دی جائے تاکہ وہ عمماً جمورویت کے آداب سیکھ سکیں۔ تجربہ ہوتا ہے کہ حکومت کی ذمہ داری انتہا پسند گروہ کو بھی معتدل بنا دیتی ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ یہ تجربہ ہر جگہ دہلیا جائے۔ دوسرا تشویش ناک تجربہ یہ ہے کہ انقلابیوں کے معتدل ہونے میں ایک نسل لگ جاتی ہے، جیسا کہ ایران کے تجربے سے ظاہر ہے۔ مشکل یہ ہے کہ یہ تجربات سو شل سائنسیت کے لیے تو لچکپ ہو سکتے ہیں، لیکن عوام کے لیے مصیبت اور دنیا کے لیے

تابتیں کا باعث بن سکتے ہیں۔ اسلام کے اندر جد لیاتی عمل، ہو یا اسلام اور جمورویت کے درمیان محاد  
کرائی، کچھ نہ کچھ قیمت تو ادا کرنا ہوگی۔ اب یہ مسلم ممالک کے عوام کو انتخاب کرنا ہے کہ وہ کس کی کیا  
قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

م: ہمیں آپ سے اتفاق ہے اور ہماری مغرب سے یہی درخواست ہے کہ آپ مسلمانوں کو ان کے  
حال پر چھوڑ دیں، اور اسلامٹوں کی موقع کامیابی کی صورت میں جمورویت کی تباہی کے موہوم خطرے کے  
خلاف تحفظ کے نام پر، نصف صدی سے قائم آمرانہ، گرپت اور نااہل حکمرانوں کی حمایت اور اسلامٹوں کا  
راستہ روکنے کی خونیں کوششیں ترک کر دیں۔ جو قیمت ادا کرنا ہوگی وہ مسلمان کریں گے، اگر وہ اسلام کے  
مطابق ہبھی چاہتے ہیں۔ لیکن کیا آپ ”اسرائیل“ اور ”تیل کے چشموں“ کے تحفظ سے دست بردار ہو سکتے  
ہیں!

## ترجمان ری پر ٹس سروس

- ۱۔ تحریک اسلامی: کارکنوں کے اوصاف پروفیسر غلام اعظم می ۹۵/- اردو پے
- ۲۔ نئی صلیبی جنگ: دینی مدارس کے دروازوں پر خرم مراد می ۹۵/- اردو پے
- ۳۔ توبین رسالت کامقدمة اپریل ۹۵/- اردو پے
- ۴۔ رب کے درپر خرم مراد فوری ۹۵/- اردو پے
- ۵۔ دہشت گر، کون؟ جون ۹۵/- اردو پے
- ۶۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم جون ۹۵/- اردو پے
- ۷۔ آن کادائی مکمل کا قائد جون جولائی ۹۵/- اردو پے
- ۸۔ کم سے کم ۰۰ اری پر ٹس کا آرہ بربازی ہے۔ کوئی ایک ری پرنسپل سے کم نہ ہو۔
- ۹۔ ڈاک خرچ بذمہ خریدار ہے۔ اداگی نقد کیجیے یا وی پی طلب کیجیے

## منشورات

### ترجمان ری پر ٹس سروس